جولیا سرور

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

عہدِ سرسیّد میں بائبل مقدس کے تراجم کی اہمیت اور منتخب تراجم کا لسانی مطالعہ

ABSTRACT

Bible's Urdu translations in Sir Syed's era and a linguistic study of selected translations.

By Julia Sarwar, PhD Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Sir Syed Ahmed Khan had a peculiar view on every aspect of life, including religions and scriptures. as a part of his endeavors to reduce the tension between the Muslims of the subcontinent and the Britsh, Sir Syed wrote many types of books and articles.Among them was 'Tabeen-ul-Kalam', a commentary on Bible. He published this book from Ghazipur in 1863. in those days, some other writers and preachers too were busy translating Bible into Urdu. these translations have great linguistic significance as well, since they reflect the Urdu language and religious vocabulary being used in translating the scriptures. This paper evaluates and analyses certain linguistic aspects and peculiarities of these translations from grammatical and linguistic perspective.

سرسید احمد خان کی فکر اور تصانیف نے اُن کے عہد میں کئی مصنّفین اور ادیبوں پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات ثبت کیے جس کے نتیجے میں بعض اُن کے نظریات کے حامی ہوئے تو کئی اُن کے مخالفین میں شامل ہوگئے۔

تعلیمی معاملات میں مسلمانوں کے لیے سرسید احمد خان کا ایک خاص نظریہ تھا اور وہ سماجی نظامِ زندگی میں بھی مسلمانوں کے تہذیبی احیا کے خواہش مند تھے ۔اسی طرح وہ مذہبی و دینی افکار کے متعلق بھی اپنا ایک مخصوص زاویۂ نگاہ رکھتے تھے جس کے تحت اُن کا ماننا تھا کہ مذہب اُن اخلاقی اور روحانی قدروں سے پہچانا جاتا ہے جو انسانیت کو آگے بڑھاتی ہیں اور خدمتِ خلق، محبت اور انصاف کو عام کرتی ہیں وہ تعصب پسندی کو سچی مذہبی روح کے منافی سمجھتے تھے۔[1]

اپنی تحریروں کے ذریعے اُنھوں نے ایک جانب تو مسلمانوں کو انگریزی اور جدید تعلیم کو قبول کرنے کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور دوسری جانب انگریزوں کے دلوں سے مسلمانوں کے لیے نفرت کم کرنے کی سعی کی۔ اس مفاہمتی عمل میں ایک قدم بائبل مقدس کی تفسیر بھی ہے جو ''تبئین الکلام فی تفسیر التورات و الانجیل علیٰ ملت الاسلام توریت

مقدس'' کے نام سے انھوں نے غازی پور سے اپنے ہی ذاتی مطبع خانہ سے ۱۸۶۳ء میں شائع کی۔ اس جیسی دیگر تصانیف اور ان کے عقائد اور نظریات کے باعث ہی مذہبی معاملات میں سرسید کی شخصیت خاصی متنازع رہی اور اُن پر کُفر اور ارتداد کے فتوے بھی لگائے گئے۔ انھوں نے مولانا محمد قاسم صاحب بانی دیوبندی کے نام ایک خط تحریر کیا اور اُس میں اپنے مذہبی عقائد کی تفصیلاً وضاحت کرتے ہوئے گزارش کی اُن کے مذہبی افکار سے دیگر لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور اگر وہ غلط ہیں تو اُن کی اصلاح کی جائے سرسید لکھتے ہیں کہ:

> جناب من! میری تمام تحریریں جن کے سبب سے میں کافر و مرتد ٹھیرا ہوں اور وحدانیت و رسالت کی تصدیق کے ساتھ کُفر جمع ہوا ہے، جو میرے نزدیک محالات سے ہے، چند اصولوں پر مبنی ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اِن اصولوں کو بزرگانِ سہانپور کی خدمت میں بھیج دیں۔ اگر اِن میں کچھ غلطی ہے تو بلا شبہ نصیحتِ ناصح کارگر ہوگی ورنہ ایسا نہ ہو کہ ناصح ہی مجھ سے ہو جائیں۔(۲)

سرسید کے لیے عوام کا یہ ردِعمل فطری بھی تھا کیونکہ تبدیلیٔ مذہب کے رجحان سے علما بھی متفکر تھے۔ معاشرتی اور سماجی سطح پر مختلف النوع تغیر رونما ہو رہے تھے۔ ایک طرف معاشی بدحالی اور بحران کے ساتھ اخلاقی قدروں کو زوال تھا تو دوسری طرف انگریزوں کے ظلم و ستم اور تکبر کو عروج تھا۔ جدید انگریزی تعلیم اور مشنریز کی سماجی سرگرمیوں سے ہندوستانی خوفزدہ تھے گو کہ ان اداروں نے عوام کے لیے ترقی کی نئی راہیں اور سوچ کے نئے راستے کھولے تھے جس سے ہندوستان کے لوگ خوابِ غفلت سے پوری طرح بیدار ہونے لگے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عوام میں تعصب، عدم تحفظ اور عدم برداشت کا رجحان بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ اصغر ندیم کہتے ہیں کہ ''اگرچہ تعلیم سے ان علاقوں میں شعور آ گیا لیکن ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے خلاف نفرت کا بیج بھی بو یا گیا''(۳) جس کے نتیجے اور خصوصاً اُس نتیجے کے ردِعمل میں وہ حکومت اور انگریزوں کے سخت خلاف ہو گئے۔ مختلف حالات و واقعات کی بنا پر انھیں یقینِ کامل ہو گیا تھا کہ انگریز ہماری ثقافتی اور تہذیبی اقدار کو ختم کرنے آئے ہیں اور ہم سے ہمارا مذہب لے لیں گے اور سب کو 'کرسٹان' کر دیں گے۔ ۱۸۵۵ء میں پادری ایڈمنڈ کے دارالامارت کلکتہ سے سرکاری نوکروں کو بھیجے گئے خط نے اس خوف کو ایسی تقویت دے دی(۴) کہ جسے بعد ازاں لفٹنٹ گورنر بہادر کا وضاحتی اور تسلی آمیز اشتہار بھی کمزور نہ کر سکا۔ یہی وہ خوف تھا جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی وجوہات میں سے ایک وجہ بھی بنا اور جس نے بلاواسطہ نئی مذہبی اصلاح کی تحریک کو جنم دیا۔ اب مسیحیوں کے علاوہ ہندو، پارسی اور مسلمانوں کے بھی مذہبی دفاع کے لیے ادارے اور تنظیمیں (سوسائٹیز) بننے لگیں جو ایک ایسے پلیٹ فارم کی صورت اختیار کر گئیں جہاں سے لوگ اپنی آواز حکمران اور عوام تک پہنچا سکتے تھے۔

ہندوؤں میں پڑھے لکھے طبقے نے اپنے مذہبی رویوں میں اصلاح کا عمل شروع کر دیا۔ جو ثقافتی تفریق اور

مذاہب کے تجزیے کا طریقہ کار مسیحیت کے فروغ کے لیے استعمال کیا گیا تھاہندوؤں نے وہی اپنے مذہبی دفاع کے لیے اختیار کیا اور ایک نئے روشن نظریے کے تحت اپنے مذہب کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی قدرو قیمت کو اجاگر کیا۔ اسی کے نتیجے میں آریہ سماج کی تھیوسافیکل سوسائٹی، برہمو سماج اوررام کرشنا مشن جیسے ادارے بنے۔جنھوں نے مشنری عوامل کے روک تھام کی کوششیں شروع کردیں اور ان تحریکات کے اثرات مختلف شہروں تک پہنچے۔(۵)

اس سلسلے میں مسلمانوں میں اکیلے سرسید ہی تھے جو سب سے پہلے بیدار ہوئے مسلمانوں کی جو کوششیں سامنے آئیں ان میں ۱۸۶۷ میں دیو بندی مکتبۂ فکر کے علماء نے دینِ اسلام میں سے مقامی مذہبی روایات کو ترک کر کے اور صوفیانہ رسم و رواج سے الگ کر کے صرف قرآن مجید اور حدیث و سنت پر مبنی اسلام کی اصل صورت کو واضح کیا۔دوسری تحریک دنیاوی تعلیم کی طرف بڑھتا ہوا رجحان تھا جس کو فروغ دینے کا سہرا بھی سرسید کے سر جاتا ہے۔(۶) سرسید نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ایک تحریک کا آغاز کیا جس کی نتیجہ علی گڑھ کالج، تہذیب الاخلاق اورسائنٹیفک سوسائٹی کے علاوہ اُن کی بیشتر تصانیف بھی ہیں۔ سرسید کا ماننا تھا کہ مسلمانوں کو مغربی تعلیم بھی حاصل کرنی چاہیے اور انگریزوں اور مسیحیوں کے ساتھ رواداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اسی اثناء میں انجمنِ اسلام بمبئی کی تحریک بھی سامنے آئی جس کے روحِ رواں محمد علی روگھے اور جسٹس بدر الدین طیب تھے لیکن یہ فکر وعمل کا انقلاب صرف ایک طبقے تک محدود تھا۔ روشن خیال اور وسیع النظر مسلمانوں نے سیکولر معاشرے کو رواج دینے کے لیے اعلیٰ تعلیم اور سائنسی نقطۂ نظر کو وسعت دی تو ان کے مدِ مقابل اتنی ہی شدت سے تعصب اور تنگ نظری کی بنیاد پر مذہب کی توضیح ہونے لگی۔ ہر فرقے ہر مسلک کے مدارس ہر جگہ پورے نصابی مواد کے ساتھ سرگرم تھے۔(۷) ابھی سماجی دائرہ کار میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی تھی۔ اب مسلمانوں کے زیرِ انتظام بھی سکول و کالج کھلنے لگے تھے جن میں قابلِ ذکر لاہور کا اسلامیہ کالج اور اٹاوے کی اقامتی درس گاہیں قابلِ ذکر ہیں۔(۸)

عہدِ سرسید اردو زبان و ادب کی ترویج اور ترقی کا دور بھی ہے۔ مسعود حُسین خاں اُردو زبان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اُس کی تشکیل کو چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں جن میں سے دورِ اول : قدیم اُردو شمال میں (۱۲۰۰ء تا ۱۴۰۰ء)، دورِ دوم : قدیم اُردو دکن میں (۱۴۰۰ء تا ۱۷۰۰ء)، دورِ سوم: درمیانی اُردو(۱۷۰۰ تا ۱۸۵۷ء)، دورِ چہارم جدید اُردو (۱۸۵۷ء تا حال)۔(۹) اس تقسیم کی مناسبت سے عہدِ سرسید اُردو زبان کے تیسرے دور سے تعلق رکھتا ہے جو کہ نہ صرف اُردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے نہایت اہم ہے بلکہ اُردو زبان میں بائبل مقدس کے تراجم کے لیے بھی قابلِ قدر اور تاریخ ساز دور ہے۔ بائبل مقدس کے مترجمین نے اردو کو آسان ، سادہ اور سلیس زبان کی حیثیت سے تحریری طور پر رواج دیا اور اُس کو اپنے تراجم کے ذریعے بنامِ ''ہندوستانی'' عوام الناس میں تشہیر بھی کیا۔جس کے باعث اُردو زبان و ادب اور نثر کی تاریخ میں بائبل مقدس کے تراجم کی اہمیت مسلم ہے۔

عہدِ سرسید میں بائبل مقدس کے اُردو تراجم کی اہمیت :

بائبل مقدس کے مترجمین نے ہندوستان کی بیشتر زبانوں میں تراجم کیے لیکن سب سے زیادہ پذیرائی ہندوستانی یا اردو کے ترجمے کو حاصل ہوئی۔ولیم کیری کے ۱۸۱۳ء کے ایک خط میں تحریر ہے کہ کتابِ مقدس کی مانگ اس قدر ہے کہ دس چھاپہ خانوں کے مستقل کام کرنے کے باوجود ہم اس مانگ کو پورا نہیں کر پا رہے گو کہ مترجمین ہمارے اپنے (فورٹ ولیم کالج کے)ہی ہیں جن کی کل تعداد اکیس ہے جن میں سے چھ افراد پریس میں کام کر رہے ہیں۔[(۱۰)] حلقہ مسیحیت میں شامل ہونے والے مقامی باشندوں کو اب براہِ راست بائبل مقدس کے اصل متن تک رسائی کی شدید احتیاج تھی وہ اسے ذاتی طور پر پڑھنا اور سمجھنا چاہتے تھے اس بات کا احساس مشنریز کو بھی تھا لہٰذا انھوں نے ایسی زبان کا انتخاب کیا جو ان کے گردونواح میں لوگ بول اور سمجھ سکتے تھے انھوں نے اپنے تراجم کو عام فہم زبان کے بہت قریب رکھا اور مقامی لوگوں تک پہنچایا۔

برصغیر پاک و ہند میں بائبل مقدس کے تراجم ہوئے توانھوں نے ہر طبقے پر اپنے اثرات ڈالے۔غیر مسیحی طبقات میں ہندوستان کی سب سے بڑی آبادی ہندوؤں کی تھی جو ان تراجم اور تبلیغِ مسیحیت سے خائف تھے۔کیونکہ مشنریز کی تبلیغ اور برابری کی مراعات سے بہت سے ہندوجوق در جوق حلقۂ مسیحیت میں شامل ہورہے تھے۔اور نومسیحیوں کے لیے یہ تراجم غلامی سے آزادی کا پروانہ تھے۔ ان دونوں طبقات کے علاوہ ایک ایسا طبقہ بھی تھا جنھیں حملہ آور غیرملکیوں کے مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی جستجو تھی۔جس کی تسکین ان تراجم کے ذریعے ہوئی اور ان کی اپنی زبان میں ترجمہ ہونے کے باعث ان کے متن کو سمجھنا بھی آسان ہوگیا ۔ ہندوستان کی سرزمین پر ہندوؤں کے بعد دوسری بڑی قوم مسلمانوں کی تھی۔انھوں نے بھی ان تراجم کے ذریعے تبلیغ اور بڑھتی ہوئی تبدیلیِ مذہب کے رجحان کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

اس وقت بھی باشعور مسلمانوں نے ان تراجم کو منفی اور مثبت دونوں طرح کے جذبات کے ساتھ قبول کیا اول الذکر کو اب انجیل مقدس کا آسان اور عام متن میسر تھا جس کی بنیاد پر مسیحیت کی تعلیمات وعقائد پر کڑی تنقید کا بازار اور گرم ہوگیا تھا جس کی حدت مہمان خانوں، چوکوں، بازاروں،اور اداروں سے نکل کر مناظراتی محفلوں تک پھیلنے لگی ۔اس ضمن میں تفاسیر،تشریحات،تاویلات اور نظریاتی باریکیوں کے دفتر کے دفتر کھل گئے پمفلٹ،رسائل اور کتابوں کی نشر و اشاعت ہونے لگی غرض ہر طور سے مباحثے میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے داؤ پیچ آزمائے جانے لگے۔[(۱۱)] جس کے نتیجے میں میزان الحق ، کتابِ استفسار، مفتاح الا اسرار، کشف الاستار، حل الاشکال، ازالہ الاوہام، آرام آتھمی ، اعجازِ عیسوی، جوہر القرآن اور نکاتِ احمدیہ اور دیگر کتابیں زبانِ اُردو میں منظرِ عام پر آئیں۔مصنّفینِ کُتب عموماً انھی تراجم سے اقتباسات کے حوالے دیتے اور اپنے دلائل کو مستند ثابت کرتے ۔

جبکہ دوسرے نظریہ فکر اور وسیع الذہن طبقے کے لیے پہلی مرتبہ خود ان کی مقامی اور سادہ زبان میں پیغمبرِ شفا (عیسیٰ مسیح) کے حالات زندگی،تعلیمات اور معجزات کی تفصیل میسر ہوئی تھی۔ یعنی کہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ المائدہ، سورۂ النساء، سورۂ القصص، سورۂ الحدید اور سورۂ مریم میں جس نبی کی مسیحائی اور اس کی کتاب کے تقدس کے متعلق مسلمان پڑھتے اور سنتے آرہے تھے ان کے متعلق مزید جاننے کے لیے اب انھیں عربی،فارسی یا پھر یونانی کی کتابیں چھاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ بائبل مقدس کے عبرانی اور یونانی زبان سے اردو تراجم کے ذریعے اہلِ ایمان حضرات اپنی مادری ، سادہ اور آسان زبان میں تمام تفصیلات کا مطالعہ کر سکتے تھے۔ مُسلم علماء نے اکثر قرآن مجید کی تفاسیر میں ابراہیمی مذاہب یہودیت اور مسیحیت کی الہامی کتب تورات، زبور اور انجیل کے حوالے دیے ہیں جس سے تفہیمِ قرآن میں معاونت ہوئی۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر عارفہ فرید لکھتی ہیں کہ ''ابنِ حزم کی ''الملل والنحل'' میں اور ابنِ کثیر کی تفسیر اور ''البدایہ والنہایہ'' میں تورات اور انجیل سے استفادہ کیا گیا ہے۔''[۱۲]

بائبل مقدس کے اُس دور کے تراجم کی اہمیت کے ضمن میں ظفر بن صادق کہتے ہیں:

''حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی اصل یونانی تحریروں کو جس آسان اور سادہ ریختہ میں پروکر ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچایا وہ نہ صرف اردو ادب میں فن نثر میں ایک عظیم انقلابی شہ پارے کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ خود مسلمان علما کی اسلامی تحریروں میں تذکرات و معجزاتِ مسیح کو بیان کرنے میں ایک نیا سنگِ میل تھا۔''[۱۳] علماے کرام نے اس شہ پارے سے بھرپور استفادہ کیا جن میں سرسید احمد خان نے قرآنی تفاسیر میں تورات اور انجیل کے حوالے دیے، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی نے ''قصص القرآن'' میں،شبلی نعمانی ، اور سید سلمان ندوی نے ''سیرت النبی'' میں، مولانا مودودی نے ''تفہیم القرآن'' میں اور اورنگ زیب اعظمی نے قاموس الفاظ و اصطلاحاتِ قرآن میں توریت اور انجیل سے جو حوالے دیے ہیں ان میں انہی اردو تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔

بائبل مقدس کے اردو تراجم کو زبان اردو کے لسانی تعارف و تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے گو کہ یہ زبان صدیوں سے براعظم ایشیا میں اپنا وجود رکھتی تھی اور ایک عام فہم اور مشترک زبان کی حیثیت سے بولی اور سمجھی بھی جاتی تھی۔ شاعری میں اس کی جڑیں امیر خسرو کے زمانے تک پھیلی ہوئی ہیں البتہ نثر کی عبارت اٹھارھویں صدی تک مقفّیٰ و مسجّع طرز کی ہی تھی۔ تراکیب، اصطلاحات اور طرزِ بیان پر فارسی اثرات ہی غالب تھے۔ لوگ دقیق زبان لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے بقول رام بابو سکسینہ ''فارسی کی مروجہ اقسام نثر یعنی مرجز مقفّیٰ و مسجّع اور عاری اردو میں بھی بے تکلف اختیار کی گئی تھیں نظم کا رواج عام تھا یہاں تک کہ خطوط بھی نظم میں لکھے جاتے تھے۔''[۱۴] اردو زبان کے اوائل کی نثر کو جانچنے کے لیے ابتدائی محققین کے سامنے کربل کتھا کے سوا کوئی اہم نثری نمونہ نہیں تھا۔تاہم بائبل مقدس کے اردو تراجم اردو نثر کی ابتدائی تاریخ تک رسائی کا وہ ذریعہ ثابت ہوئے جن سے اردو نثر کے اسالیب کا تجزیہ کرنے

میں خاصی معاونت ہوئی۔

بائبل مقدس کے اردو تراجم کرنے والے زیادہ تر غیر ملکی تھے اور ظاہر ہے کہ اردو مترجمین کی مادری زبان نہ تھی جس کے باعث ان پر لازم تھا کہ اپنے ترجمے کا آغاز کرنے سے قبل وہ اس معاشرے میں اُس زبان کا مطالعہ کریں جس میں ترجمہ کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا مختلف ممالک سے آنے والے غیر ملکی ہندوستانی زبان کو لسانیاتی اصولوں کے مطابق سیکھنے لگے اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔۔ان تراجم کے پیچھے کی لگن نے مقامی لوگوں کو ان کی اپنی زبان کی تحریری صورت سے روشناس کروایا۔ بائبل کے تراجم کے ذریعے اور مترجمین کی دقیق محنت کے باعث ہی یہ ممکن ہوسکا کہ کوئی بھی با صلاحیت مصنف اس زبان کو تحریری صورت میں لاسکتا ہے جسے عام ہندوستانی بھی سمجھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں کہ ''مسیحی مشنریز نے تبلیغی مقاصد کے لیے کثرت سے اردو زبان میں مذہبی مواد اور بائبل کے تراجم شائع کیے ان تراجم کی خاص بات یہ تھی کہ ان میں زبان سادہ اور آسان استعمال کی گئی جس کی بدولت وہ عوام و خواص دونوں طبقات تک اپنا پیغام باسہولت طریقے سے پہنچا سکتے تھے۔''(۱۵) اس عمل کے نتیجے میں ہندوستانی (اردو) زبان میں ضخیم لغات اور دیگر مواد اکٹھا ہونے لگا۔

ڈاکٹر بابو ورگیز (Dr. Babu Verghese) ناگ پور یونیورسٹی (انڈیا) سے اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے Let there be India impact of the bible on nations building میں کم و بیش ۸۵ لغات اور ۱۱۲ صرف و نحو اور قواعد کی کتب کے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں۔(۱۶) عبرانی اور لاطینی جیسی زبانوں کے مفاہیم اور عبارت کو اردو زبان میں ڈھالنے سے اردو نثر میں کئی محاورات، اصطلاحات اور تراکیب کا اضافہ ہوا ہے اور ساتھ ہی مشنریز کے لیے اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت بھی سازگار ہوگئی۔

بقول رضیہ نور محمد'' مبلغین نے ان کتابوں کے ذریعے اپنے مذہب کی جو خدمت کی سو کی بالواسطہ اردو زبان کی خدمت بھی کی اور اردو کی لسانی تاریخ کے لیے ان کے نثری نمونے قابلِ قدر ہیں۔''(۱۷) نہ صرف اردو زبان بلکہ بابو ورگیز کے مطابق بائبل کے مترجمین نے زیادہ تر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی بولیوں کو استعمال کرتے ہوئے تقریباً ۷۳ زبانوں کی جدید ادبی تشکیل میں حصہ لیا جن میں سے آج تین قومی زبانیں ہیں۔ بھارت کی قومی زبان ہندی، پاکستان کی قومی زبان اردو اور بنگلہ دیش کی قومی زبان بنگالی۔(۱۸)

علاوہ ازیں راقمہ کا ماننا ہے کہ زبان کی تغیر پذیری کا مطالعہ کرنے کے لیے بھی بائبل مقدس کے تراجم کی اہمیت مسلم ہے کیونکہ ان تراجم کے متن کے مفاہیم تو آج بھی وہی ہیں لیکن گزرتے وقت کے ساتھ لفظی ترجمے سے با محاورہ ترجمے تک کے سفر میں زبان اور اسلوب و بیان میں کس نوعیت اور اقسام کے تبادل و تغیر آئے ان کا اندازہ بائبل مقدس کے تراجم کی لسانیاتی توضیح سے بہ خوبی ہوجائے گا۔ کیونکہ ایک ہی خیال اور معنی کے لیے مختلف ادوار میں مختلف مترجمین

نے الگ الگ الفاظ کے انتخاب سے اپنا منفرد اسلوب پیش کیا۔ اور مشہور امریکی ماہرِ لسانیات چارلز ایف ہاکٹ (Charles F. Hockett) کہتے ہیں،''ایک ہی زبان کے دو فقرے یا جملے جو تقریباً ایک ہی معنی ومفہوم کو ادا کرتے ہوں جب اپنی لسانیاتی ساخت کے اعتبار سے مختلف ہوں۔تو کہا جائے گا کہ ان [فقروں یا جملوں] میں اسلوب کا فرق ہے۔''(۱۹) اس لحاظ سے تمام الہامی کتب کے تراجم محققین و ناقدین کو اسلوبیاتی تنقید کے لیے بہترین مواد بھی مہیا کرتے ہیں۔الہامی کتب میں علی الترتیب توریت، زبور اور انجیل کا مجموعہ تو ہمیں بائبل مقدس میں ہی میسر ہے اور بات اگر قران مجید کی کریں تو ابتدائی مترجم شاہ ولی اللہ کے ترجمے سے لے کر ڈاکٹر طاہر القادری کے ترجمے تک زبان کی بدلتی ہوئی صورت اور اسالیب کا تنوع واضح طور پر عیاں ہے جس سے ہم زبان کی اُن تمام تبدیلیوں پر غور کر سکتے ہیں جو مرورِ ایام سے ظہور پذیر ہوئی ہیں۔قرآن مجید کے تراجم پر اس ضمن میں بعض محققین کی مطالعاتی کوششیں سامنے آئیں بھی ہیں۔لیکن بائبل مقدس کے اردو تراجم کی نثری اہمیت اور لسانی خصوصیات کے اعتراف کے باوجود اس حوالے سے ماضی میں ایسی کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی جس میں بائبل مقدس کے اردو تراجم کی ساخت، مزاج اور لسانیاتی رجحانات کا جائزہ لیا گیا ہو یا پھر سرسری مطالعہ ہی پیش کیا گیا ہو۔

عہدِ سرسید سے قبل ہندوستان میں بائبل مقدس کے تراجم کی ابتدا:

سرزمین ہندوستان میں بائبل مقدس کے تحریری تراجم کی تاریخ کا جائزہ لیں تو اس کی تاریخ تقریباً تین سو (۳۰۰) سال قبل تک کے دور سے جا ملتی ہے۔ ۱۶۸۸ء میں تامل اور سنگھالی زبانوں میں نئے عہد نامے کے تراجم کا آغاز ہوا تھا اور ۱۶۹۴ء میں پرانے عہد نامے کا لیکن ان کی تکمیل و اشاعت کے متعلق کوئی معلومات نہیں ملی۔(۲۰) ہندوستان کی مقامی زبانوں میں بائبل مقدس کے تراجم کا سب سے پہلا باقاعدہ کام ہمیں اٹھارھویں صدی کے اوائل میں ملتا ہے۔جس کا آغاز ڈینش مشن کے مشنریز نے کیا۔ ڈینش مشن کے ذیوگن بلیگ (Ziegenbalg) پہلے پروٹیسٹنٹ مشنری کی حیثیت سے ہندوستان پہنچے تھے۔بہت سے مشکل حالات اور مصائب کے بعد آخر کار یہ ہندوستان میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ذیوگن بلیگ نے ہندووٴں کا طرزِ زندگی اپنا کر تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کیا تاکہ مقامی لوگوں سے واقفیت کے دوران مقامی زبان بھی سیکھ سکیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر ۱۷۱۱ء میں انھوں نے تامل زبان میں نئے عہد نامے کے ترجمے کا آغاز کر دیا جو مئی ۱۷۱۱ء تک مکمل ہوگیا۔(۲۱) پرنٹنگ پریس کی غیر موجودگی میں ذیوگن بلیگ نے ہندوستانی کاتبوں کو اپنے تراجم کے حصے دیے جنھیں وہ کھجور کے پتوں پر لوہے کے ٹائپ کے ساتھ نقل کرتے جو کہ روایتی ہندوستانی نسخوں کی تقلید تھی۔(۲۲) ۱۷۱۵ء تک یہ نسخہ شائع ہوگیا جو کہ کسی بھی ہندوستانی زبان میں بائبل مقدس کا اولین ترجمہ کہلاتا ہے(۲۳) بعد ازاں ذیوگن بلیگ نے پرانے عہد نامے کا ترجمہ بھی شروع کر دیا لیکن اسے وہ بائبل مقدس

کی کتاب بنام ''روت'' تک ہی ترجمہ کر پائے تھے اور ۱۷۱۹ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بعد میں بنجمن شلزے ہندوستان آئے تو انھوں نے ذیوگن بلیگ کے کام کو بڑھایا اور پرانے عہد نامے کے تامل ترجمے کو مکمل کیا۔ ذیوگن بلیگ کے ترجمے کو مکمل کرنے کے علاوہ بنجمن شلزے نے تلگو زبان میں ترجمے کا آغاز بھی کیا تھا۔

ہندوستانی (اردو) زبان میں بائبل مقدس کے ترجمے کی ابتداء:

بنجمن شلزے نے محسوس کیا کہ مقامی، عام فہم زبان میں تراجم کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ مقامی نو مسیحی بائبل مقدس کو اپنے طور پر پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر تھے جتنا مشنریز انھیں سکھا دیتے وہ اتنا ہی سمجھتے تھے اس سے زیادہ جاننے کی ان میں اہلیت تھی اور نہ ہی وسائل لہٰذا بنجمن شلزے نے عوام الناس میں بولی اور سمجھی جانے والی زبان کا انتخاب کرتے ہوئے پہلی بار زبانِ ہندوستانی میں بائبل کے تراجم کا آغاز کیا اور نئے عہد نامے اور پرانے عہد نامے کے حصص مغربی ہند کی زبان دکھنی میں ترجمہ کیے۔[۲۴] گو کہ ان تراجم کی ہندوستانی زبان آج کے دور کے لیے بالکل اجنبی ہے لیکن وہ آج کی اسی زبانِ اردو کی نثر کی ابتدائی صورت ہے۔ ان تراجم سے قبل بنجمن شلزے نے ہندوستانی گرائمر کے نام سے ایک لغت تحریر کی جو کہ لاطینی زبان میں تھی اور اس کا سنِ اشاعت ۱۷۴۱ء ہے۔ یہ قواعد ابواللیث صدیقی کے اردو ترجمے اور مقدمے کے ساتھ مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کی۔

علاوہ ازیں بنجمن شلزے نے بائبل مقدس کے متفرق حصوں کے دکنی اردو میں جو تراجم کیے ہیں اُن کے سنِ اشاعت کے متعلق محققین کی مختلف آرا ہیں البتہ جن علما نے سرجان گریرسن کی پیش کردہ فہرست سے استفادہ کیا ہے ان میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ درجِ ذیل فہرست ۱۸۷۵ء میں الہ آباد میں'' اردو اور مسیحیت'' کے عنوان سے ہونے والی کانفرنس کی رپورٹ سے پیش کی جارہی ہے:

پیدائش کی کتاب	۱۷۴۵ء
مزامیر	۱۷۴۷ء
دانیال	۱۷۴۸ء
عہدِ جدید	۱۷۴۸ء[۲۵]

عطش دُرّانی[۲۶] اور رضیہ نور محمد نے بھی مزامیر، دانیال، اعمال، خطوط، اور اناجیل کے تراجم کا ذکر کیا ہے۔[۲۷]

بائبل مقدس کے منتخب اردو تراجم کا لسانی جائزہ:

اٹھارویں صدی کے اختتام تک بیپٹیسٹ مشن کا آغاز ہو چکا تھا جبکہ انیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی

فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی جا چکی تھی[۲۸] جس کے باعث انیسویں صدی کی ابتدا سے ہی کلکتہ کے اطراف میں مترجمین کے دو بڑے گروہ اور اشاعت خانے ملتے ہیں جو تراجم کے لیے کام کر رہے تھے۔جن میں سے ایک گروہ برٹش انڈیا کے گورنر جنرل لارڈ ولزلی کے قائم کردہ فورٹ ولیم کالج سے منسلک تھا۔اور دوسرا سیرام پور کے بیپٹسٹ برادران کا۔

فورٹ ولیم کالج کے مقاصد گو کہ سیاسی تھے۔[۲۹] لیکن انتظامیہ نے بائبل مقدس کے تراجم کا بھی ایک شعبہ بنایا تھا اور اس کام میں معقول تنخواہ کے باعث ہندوستان کے مختلف حصوں سے کئی پنڈت اور علما کھنچے چلے آئے تھے۔ ابتدا میں کالج نے ترجمے کے لیے صرف پانچ زبانوں کا انتخاب کیا جن میں فارسی، ہندوستانی ،مغربی ملایا، اُڑیا اور مراٹھی شامل ہیں۔[۳۰] بعد ازاں ۱۸۰۶ء میں سیاسی وجوہات کی بنا پر ہی ترجمے کے کام کو اور پھر کالج کو بھی بند کر دیا گیا لہٰذا فورٹ ولیم کالج کے گروہ سے بائبل مقدس کے چند ایک تراجم ہی منسوب ہیں جن میں ولیم ہنٹر کا نظرِ ثانی شدہ ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔

اسی اثناء میں ہنری مارٹن نے ۱۷ جولائی ۱۸۰۵ ء کو ہندوستان کے لیے سفر کا آغاز کیا اور نو ماہ کے طویل سفر کے بعد ۲۱ اپریل ۱۸۰۶ء کو ہندوستان میں مدراس کے ساحل پر اترے پھر کچھ ہی دن بعد ۱۳ مئی کو جہاز ہی کے ذریعے آخر کار کلکتہ پہنچ گئے۔[۳۱] ہنری مارٹن کے خطوط سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے لندن میں ہی مشہور ومعروف لغت نویس ڈاکٹر گلکرسٹ سے اردو سیکھی۔[۳۲] مارٹن نے بائبل مقدس کا ترجمہ کرنے کی خواہش کا اظہار گلکرسٹ سے لندن میں ہی کر دیا تھا جس پر گلکرسٹ نے جواب دیا کہ ’’یہ ایسی چٹان ہے جس سے ٹکرا کر غیر ملکی تبلیغی جماعتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں کیونکہ انھوں نے زبان سیکھنے سے پہلے لکھنا اور منادی (تبلیغ) کرنا شروع کر دیا۔‘‘[۳۳] مارٹن کے لیے یہ الفاظ مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور انھوں نے زبانوں کی لغات کے مطالعے کو جاری رکھا۔ وہ دیگر مختلف زبانوں کے صرف ونحو اور لغات کا مطالعہ بھی ذوق وشوق سے کرتے تھے سفرِ ہندوستان کے دوران اپنے اس شوق کی تسکین کے لیے انھیں خاصا وقت ملا اور پھر ہندوستان پہنچ کر انھوں نے عربی، فارسی، ہندوستانی (اردو)، دیوناگری اور سنسکرت کے باقاعدہ مطالعہ کا آغاز بھی کر دیا۔[۳۴] ہنری مارٹن کو مبلغ کی حیثیت سے ہندوستان پہنچے ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ انھوں نے بائبل کا اردو ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔

پہلا ترجمہ

کلاڈیس بکانن نے ہندوستان کے تمام فنونِ لطیفہ کو ایک مقام پر اکھٹا کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے تحت فورٹ ولیم کالج کے صدر اور چیپلن ڈیوڈ براؤن نے ۱۸۰۷ کے جون میں ہنری مارٹن کو مشورہ دیا کہ وہ سنسکرت کی بجائے فارسی، ہندوستانی اور عربی پر توجہ مرکوز کریں مذکورہ منصوبے کے تحت مارٹن کی ذمہ داری تھی کہ نئے عہد نامہ کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کریں اور ساتھ ہی مقامی مترجمین مرزا فطرت اور ثابت کو سونپے گئے عربی وفارسی کے ترجمے کی نگرانی کریں۔

مرزا فطرت اور ہنری مارٹن کی کاوشوں سے ۱۸۰۸ء میں نئے عہد نامے کا ترجمہ مکمل ہو گیا تھا جسے نظرِ ثانی کے لیے ہندوستانی علما کے سپرد کر دیا گیا۔ انھوں نے اس ترجمے کے با محاورہ اور آسان ہونے کی تصدیق کی[۳۵] لہٰذا مارٹن کا ترجمہ ۱۸۰۱۱ء میں سیرام پور میں اشاعت کے لیے بھیج دیا گیا جہاں ۱۸۱۲ء میں آگ لگنے کے باعث اس کا اشاعت شدہ حصہ ضائع ہو گیا لیکن جلد ہی اس کی کتابت اور مسودات دوبارہ حاصل کر لیے گئے اور بالآخر ۱۸۱۴ء میں سیرام پور پریس کی طرف سے نستعلیق میں برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کے لیے شائع کیا گیا۔[۳۶] اس ضمن میں ولیم ہوپر بتاتے ہیں کہ سیرام پور مشنریز کا ہندی زبان میں ترجمہ ۱۸۰۷ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۱۱ء میں شائع ہوا البتہ اس کے بعد کے برسوں میں انھوں نے پرانے عہد نامے کے کئی حصص شائع کیے۔[۳۷] ۱۸۱۲ء میں ناسازگاریِ طبیعت کے باعث مارٹن کا انتقال ہو گیا اور آخر کار ۱۸۱۴ء میں برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے ہنری مارٹن کا ترجمہ فارسی رسم الخط میں سیرام پور سے شائع کرنے کی اجازت دے دی۔[۳۸] جے تھامس نے اس نسخے کا سنِ اشاعت ۱۸۱۵ء بھی بتایا ہے[۳۹] جبکہ جالبیؔ صاحب کے بقول بائبل کو ترجمہ کرنے کا کام گلکرسٹ کے ایک شاگرد ہنری مارٹن نے، مرزا فطرت کی مدد سے انیسویں صدی کے اوائل یعنی ۱۸۰۱ء میں کیا۔[۴۰] منقولہ بیان کے مطابق ہنری مارٹن کی ہندوستان میں آمد ہی ۱۸۰۶ء میں ہوئی تھی۔ اور انھوں نے ۱۸۰۸ء میں ترجمہ مکمل کیا تھا لیکن جالبی صاحب اس کا سال ۱۸۰۱ء بتاتے ہیں۔ اس معاملے میں محترم جالبی صاحب سے تسامح ہوا ہے یا پھر اسے سہوِ کتابت ہی کہا جا سکتا ہے۔

ہنری مارٹن نے بائبل مقدس کا ترجمہ انیسویں صدی کے مشرقی ہند کی نثری زبان میں کیا۔ یہ ترجمہ اردو زبان کی تاریخ کے تشکیلی و ترویجی دور کے مطالعے کے لیے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ترجمہ نہ صرف اپنے دور کی عام فہم زبان ہندوستانی (اردو) میں ہے بلکہ اردو نثر میں کسی بھی مذہبی کتاب کا پہلا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ راقمہ کے پاس مارٹن کے نسخے کی ۱۸۱۷ء کی اشاعت ہے۔ اس کے صفحۂ اول کی تحریر کچھ یوں ہے کہ:

> ''یعنی وثیقہ جدید حضرت عیسیٰ مسیح کا جسی (جسے) خادمِ دینِ مسیحی قسیس ھنری
> مارتین مرحوم نی (نے) اصل یونانی زبان سی (سے) زبانِ ریختہ مین ترجمہ کر
> کی (کے) مرزا فطرت اور اور فاضلوں کی اعانت سی (سے) درست کیا تہا (تھا)''

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کے قدیم طرزِ کتاب کے مطابق یاے معروف اور یاے مجہول میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح ہائے مخلوط (ھ) کا اہتمام بھی کاتب نے نہیں کیا۔

بائبل کے تراجم کے ضمن میں دوسرا گروہ مغربی سائنس کے علما اور لسانیات وادب کے ماہرین ریورنڈ۔ کلاڈیس بکنن، ریورنڈ۔ ڈیوڈ براؤن اور ولیم کیری پر مشتمل تھا۔ جو بیپٹسٹ مشن سے تعلق رکھتے تھے اور بیپٹسٹ برادران کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ ولیم کیری کی بنگال آمد سے لے کر اگلے پانچ سالوں میں کیری نے مختلف شعبۂ زندگی کے

ساتھ بائبل مقدس کے ترجمے میں بھی اپنا ایک مقام بنا لیا تھا۔[۴۱] بعد ازاں کلاڈیس بکنن اور وارڈ بھی ترجمے کے اس کام میں ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور ان تینوں نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ترجمے کے کام کو جتنا فروغ دیا وہ کوئی اور مشنری گروپ نہ دے سکا۔ان کے کیے گئے تراجم صرف اس لیے قابلِ احترام یا اہم نہیں کہ کمیٹی کے ممبران نے بنا کسی معاوضے کے رضا کارانہ طور پر یہ خدمت سرانجام دی بلکہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ جن ہندوستانی بولیوں میں انھوں نے تراجم کیے ان میں سے زیادہ تر پہلی بار تحریری زبان کی صورت میں عوام الناس کے سامنے آئے۔[۴۲]

دوسرا ترجمہ

۱۸۳۸ء میں بپٹسٹ برادران نے چاروں اناجیل متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے ساتھ ساتھ رسولوں کے اعمال کا بھی اصل یونانی سے ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ امریکن اور فارن بائبل سوسائٹی کے علاوہ انگریزی بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے لیے بھی کیا گیا جو کہ کلکتہ کے سرکولر روڈ پر واقع بپٹسٹ مشن پریس سے شائع ہوا۔[۴۳] اس کا سرورق دو زبانوں یعنی انگریزی اور اردو (ہندوستانی) میں ہے۔ اردو کے لیے خطِ نسخ استعمال ہوا ہے۔لوح کی تحریر کچھ یوں ہے:

انجیل
متھی اور مارک اور لوک اور یوحنا کی
اور
رسولوں کے اعمال

The
FOUR GOSPELS,
and
the acts of apostls
in
HINDUSTANI
translated
FROM THE GREEK
by
The Calcutta Baptist Missionaries
CALCUTTA
printied at the baptist mission press, circular road,
for the American and forrion Bible society, and the English baptist missionary society.
1838.

باقی کا تمام ترجمہ اردو ہی میں ہے۔ راقمہ کے پاس جو نسخہ ہے اُس کے ابتدا میں کوئی فہرست نہیں ملتی ہے۔ براہِ راست جنابِ متی کی انجیل سے آغاز کیا گیا ہے۔ اس نسخے میں ہر باب سے قبل باب میں موجود متن کے مضامین کی طرف اشارہ دے دیا گیا ہے۔

تیسرا ترجمہ

انیسویں صدی کا تیسرا اہم ترجمہ جو راقمہ نے منتخب کیا وہ کاٹن میتھر نے ۱۸۶۰ء میں کیا۔اس ترجمے کی ۱۸۸۷ء کی نظرِ ثانی شدہ اشاعت راقمہ کی دسترس میں ہے۔ بنارس میں لندن مشن سوسائٹی نے ۱۸۲۰ ء میں ریورنڈ ٹی آدم (Rev. T. Adam) کے توسط سے اپنے مشن کا آغاز کیا جس کے بعد یہاں پر تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ تراجم کا کام باقاعدہ شروع ہوگیا اس مشن سے تعلق رکھنے والے ریورنڈ ڈاکٹر میتھر (Rev. D. Mather) مسیحی اردو ادب، تراجم کی تدوین اور لغت کی ترتیب و تدوین کرنے والا ایک اہم نام ہیں۔[۴۴] کاٹن میتھر نے بنارس کی اُس کمیٹی کی صدارت بھی کی جنھوں نے ۱۸۴۵ء میں ہنری مارٹن کے ترجمے پر مشتمل ۳۰۰۰ کاپیاں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ شائع کیں۔[۴۵]

ریورنڈ آر سی میتھر (Rev. R. C. Mather) لندن جا کر ایک یا دو زبانوں میں شائع شدہ مکمل بائبل کی ایک جلد اور نئے عہد نامے کی ایک جلد رومن رسم الخط میں لے کر آئے۔[۴۶] اور ترجمے کا کام شروع کیا۔ کیون ایس ھیگنز (Kevi. S. Higgins) کہتے ہیں کہ: اردو نسخے کے نستعلیق اور رومن ترجمے کی پہلی کاوش ۱۸۶۰ ء میں کاٹن میتھر نے کی تھی۔ یہ کام ''اردو بولنے والے مسیحی حلقوں کی چرچ بائبل'' بن گیا تھا۔ رومن رسم الخط میں اردو کا ترجمہ وہ واحد ترجمہ تھا جو کہ بنیادی طور پر انگریزی بولنے والے غیر ملکی مسیحیوں کے لیے آسان تھا۔[۴۷] بعد ازاں کاٹن میتھر کے ۱۸۶۰ء کے نسخے میں اصلاحات کی گئیں اور اسے ۱۸۶۳ء میں اُسے پھر سے شائع کیا گیا۔ گارسین دتاسی اپنے نویں خطبے میں بیان کرتے ہیں کہ یہ سابقہ ترجمے سے زیادہ صحیح اور ٹھیٹ ہندوستانی[اردو] زبان میں ہے۔[۴۸] اور عطش درانی بھی بتاتے ہیں کہ گارسین کے ۳ دسمبر ۱۸۶۳ء کے خطبے کے مطابق ''یہ اردو زبان کی چوٹی کی کتابوں میں ہے کیونکہ اس میں ایک مشہور ہندوستانی فاضل نے مدد کی۔[۴۹]

اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ کاٹن میتھر کا یہ ترجمہ مسیحی جماعت کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ اور اثر انگیز نسخہ بن جائے گا کاٹن میتھر کا ترجمہ'' کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ' کے عنوان سے ہے اور ۱۸۶۰ء سے لے کر ۱۹۲۳ء تک اصلاحات کے ساتھ اس کے نو ایڈیشن شائع ہوئے۔ جن میں سے ۱۸۷۰ء کے نسخے کا ذکر آغا افتخار نے کیا ہے۔ جو کہ اس نسخے کی چوتھی اشاعت ہے اور ۱۸۹۱ء کا ذکر انسائیکلو پیڈیا آف مشن میں بھی تحریر ہے۔[۵۰] جبکہ https://copac.jisc.ac.uk/search?subject=Bible.%20Urdu. پر نو کے نو ایڈیشن موجود ہیں۔

یہاں ایک اور ترجمے کا ذکر کرتی چلوں جو راقمہ کی نظروں سے گزرا۔ یہ انجیل مقدس کا ہندوستانی زبان میں رومن حروف میں تحریر کیا گیا ترجمہ تھا۔جس کے سرورق پر رومن میں اور زبانِ انگریزی میں وضاحت تحریر تھی کہ ''انجیل مقدس یعنی ہمارے خداوند اور نجات دینے والے یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ اس کا ترجمہ یونانی زبان سے زبان اردو میں بنارس ٹرانسلیشن کمیٹی سے کیا گیا'' جس نسخے تک راقمہ کی رسائی ہوئی اُس پر نشان دہی کی گئی ہے کہ وہ تیسرا ایڈیشن ہے

جو کہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کے لیے ۱۸۰۴ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۰۴ء مطلب یہ ہنری مارٹن کے ترجمے سے بھی قبل کا ترجمہ تھااور تیسری اشاعت یعنی کہ اس سے قبل بھی دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اردو زبان کی تاریخ میں بہت کم ہی سہی لیکن جب کبھی بھی بائبل مقدس کے اردو تراجم کا ذکر آیا ہے تواٹھارویں صدی کے بنجمن شلزے کے فوراً بعد انیسویں صدی کے مرزا فطرت اور ولیم ہنٹر کے ۱۸۰۴ء کے دیوناگری ترجمے کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔راقمہ کے لیے یہ ایک معمہ بن گیا کہ ۱۸۰۴ء میں شائع ہونے والی اس تیسری اشاعت کی پہلی اشاعت کب ہوئی ؟اور اُس کا ترجمہ کس نے کیا تھا؟ کیونکہ یہ ترجمہ رومن حروف میں تھا اور ۱۸۰۴ء کی زبانِ اردو کے دیگر نثری نمونو ں کے مقابلے میں نہایت فصیح وبلیغ بھی تھا۔ اور سب سے بڑھ کے، جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں، بنارس ٹرانسلیشن کمیٹی کا آغاز ہی ۱۸۲۰ء میں ہوا تھا۔تو انھوں نے ۱۸۰۴ء میں ترجمہ کیسے شائع کر دیا۔ چنانچہ ترجمے کی زبان و بیان اور لفظیات کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا جس کے بعد اس ضمن میں راقمہ کا قیاس ہے کہ یہ کاٹن میتھر کا ہی ۱۸۷۸ء میں شائع ہونے والا عہدِ جدید کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ اس کی زبان صاف سادہ اور با محاورہ ہے۔قرأت کی آسانی کے لیے لسانیات کے سائنسی اصولوں کے مطابق اس میں طویل مصوتوں اور مختصر مصوتوں کے لیے با قاعدہ نشان لگائے گئے ہیں تا کہ تلاوت روانی سے ہو سکے۔ یہ طریقۂ تحریر مترجمین کی اردو زبان پر عمیق نظر کی دلیل ہونے کے ساتھ اُن کے لسانیاتی شعور کا بھی ثبوت ہے۔اور جہاں تک ذکر ہے صفحۂ اول پر رقم سن اشاعت ۱۸۰۴ء کا تو ممکن ہے وہ سہوِ کتابت ہو۔

ذیل میں انیسویں صدی میں عہدِ سرسید کے تین اہم بائبل مقدس کے اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔جس سے اردو زبان کی بلحاظ عصر تبدیلیوں کا ادراک ہو سکے گا۔

ہنری مارٹن ۱۸۱۷ء

اقتباس۔۱ (متی ۵:۱۷ تا ۱۸)

یہہ گمان مت کرو کہ مین اس لئی آیا ھون کہ توریت اور نبیون کی کتابونکو ضایع کرون مین ضایع کرنی کونہیں آیا بلکہ پورا کرنی کو آیا ھون۔ اسواسطی کہ مین تم سی سچ کہتا ھون جسوقت تک کہ آسمان اور زمین زایل نہون ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ھرگز زایل نہوگا جبتک سب مکمل نہوی۔

بپٹیسٹ برادران ۱۸۳۸ء

یہہ گمان مت کرو کہ میں توریت اور نبیؤں کی کتابونکو منسوخ کرنے کو آیا ھون: میں منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے کو آیا ھوں۔ اسواسطے میں تمسے سچ کہتا ھوں جسوقت تک کہ آسمان اور زمین نیست نہوں ایک نقطہ یا ایک شوشے توریت سے ھرگز منسوخ نہوگا جبتک سب پورا نہووے۔

کاٹن میتھر ۱۸۸۷ء

یہہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا: میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ھوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ھوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں یک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ھرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ھو۔

مذکورہ آیات لسانیاتی ساخت کے اعتبار سے جداگانہ ہیں لیکن باعتبارِ معنی یکساں ہیں لیکن ان میں موجود معنوی یکسانیت سے الفاظ میں ترادفی رشتہ (synonymic relationship) پایا جاتا ہے۔ایسے مترادف الفاظ معنی کے فرق کو نہیں بلکہ معنیاتی وحدت کو ظاہر کرتے ہیں جو لسانی تباین (language variations) کا سبب بنتا ہے اور اس قسم کے لسانی تباین سے ادبی سطح پر اسلوب کی تشکیل ہوتی ہے۔ جو زبان و ادب کی وسعت میں اضافہ کرتے ہیں۔[۵۱] مندرجہ بالا آیات میں لسانیاتی ساخت کے اعتبار سے تینوں تراجم کے جملوں میں الفاظ کے فرق کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے:

۱۸۱۷ء	۱۸۳۸ء	۱۸۸۷ء
گمان	گمان	خیال
ضائع	منسوخ	منسوخ
اسواسطی	اسواسطے	کیونکہ
زائل	نیست	ٹل
زائل	منسوخ	مٹے گا

اسی طرح اناجیلِ اربعہ میں سے جنابِ لوقا (Luke) کی تحریر کردہ انجیل کا اقتباس پیش ہے۔

اقتباس۔۲ (لوقا ۴: ۳۳ تا ۳۵)

اور مجمع مین ایک شخص تہا جس مین دیو پلید کِی روح در آئی تہِی وہ بڑی آواز سی یہہ کہکی چلایا کہ ای عیسای نا صریِ چہور ہمین تجہسی کیا کام کیا تو ہمین ہلاک کرنی آیا ھی مین تجہی جانتا ہون تو کون ھی خدا کا مقدس ھی۔ عیسیٰ نی اُسی جہنجہلا کی کہا چُپ رہ اور اُس مین سی نکل آ اور دیو اُسی بیچ مین گرا کی اُسی بن دکہہ دئی اُس مین سی نکل آیا۔

اور عباتگاہ میں ایک شخص تھا جسمیں ناپاک دیو کی روح تھی وہ بڑی آواز سے یہہ کہکے چلایا: کہ ای یسوع ناصری چھوڑ ھمیں تُجھسے کیا کام؟ کیا تو ھمیں ہلاک کرنے آیا ھی۔ میں تجھے جانتا ھوں تو کون ہے تُو خدا کا مقدس ہے۔ یسوع نے اُسے ملامت کر کے کہا چُپ رہ اور اُسمیں سے نکل آ: اور دیو اُسے بیچ میں گرا کے کچھ اوزیت نہ دیکے اُسمیں سے نکل آیا۔

اور عبادت خانہ میں ایک شخص تھا جس میں شیطان کی ناپاک روح تھی وے بڑی آواز سے یہہ کہکر چلایا کہ

ای یسوع ناصری چھوڑ دے ھمیں تجھ سے کیا کام ؟ تو ھمیں ھلاک کرنے آیا ھی میں جانتا ھوں کہ تُو کون ھی خدا کا قدوس۔اور یسوع نے اُسے دھمکا کہ کہا چُپ رہ اور اُس میں سے نکل جا اور وے شیطان اُسے بیچ میں پٹک کے اُس سے نکل گیا اور اُسکو نقصان نہ پہنچایا۔

۱۸۸۷ء	۱۸۳۸ء	۱۸۱۷ء
عبادت خانہ	عبادت گاہ	مجمع
شیطان	دیو	دیو
ناپاک	ناپاک	پلید
یسوع ناصری	یسوع ناصری	عیسای ناصری
قدوس	مقدس	مقدس
دھمکا کے	ملامت کر کے	جھنجھلا کے
پٹخ کے	گرا کر	گرا کر
نقصان نہ پہنچایا	اذیت نہ دے کر	بن دُکھ دیے

مذکورہ تراجم میں الفاظ کے ساتھ ساتھ فعلی شکلوں،اسماء اور جملوں کی نحوی ترتیب کا فرق بھی واضح ہے اور بعض اقتباسات میں قواعدی ونحوی ترتیب بھی مختلف ہے لیکن اُس کا ترجمے کی معنویت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

زیرِ مطالعہ تراجم میں سے مارٹن کے ترجمے میں درج انبیائے اکرام کے نام بھی وہی ترجمہ کیے گئے ہیں جو قرآن میں درج ہیں ۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں کہ عربی زبان کے یعقوب اور یوسف ان زبانوں میں جو رومن لپی (رسم الخط) استعمال کرتی ہیں جیکب اور جوزف بولے جاتے ہیں اور لوگ اس بات سے بے خبر ہو چکے ہیں کہ وہ حرف (J) جسے آج رومن میں ''ج'' بولا جاتا ہے عہدِ قدیم میں ''ی'' کی آواز کے لیے استعمال ہوتا تھا۔[۵۲] موجودہ تراجم میں اس کی مثال ایلیاہ(Elijah)، یوناہ(jonah) اور یسوع (jesus) کی صورت ملتی ہے۔لیکن قدیم تراجم میں ہنری مارٹن نے بلا ترتیب انھیں الیاس،یونس اور یسوع کی جگہ عیسیٰ ترجمہ کیا ہے۔ جنابِ مسیح کا یہی اسمِ گرامی ہمیں قرآن میں بھی ملتا ہے۔ممکن ہے اس کی وجہ مرزا فطرت کی معاونت ومشورہ ہو یا پھر یہ بھی ممکن ہے اس ترجمے کا ہدف اہلِ اسلام طبقہ ہو جس کے باعث اُن اسماء کا انتخاب کیا گیا جو معلوم سے نامعلوم کے سفر تک ابلاغ وتفہیم آسان کو آسان کرے۔ اس کے برعکس بیپٹسٹ برادران نے کتُب کے نام انگریزی طرز کے ہی رکھے ہیں جبکہ علی الترتیب کے نام اُنھوں نے ایلیا، یونس اور یسوع ترجمہ کیے ہیں۔اسی طرح کاٹن میتھر نے بھی ہنری ماٹن کی تقلید میں الیاس، یونس کو قائم رکھا البتہ عیسیٰ کے لیے یسوع کا استعمال کیا ہے۔ ۔ علاوہ ازیں لفظ عیسیٰ راقمہ کو مارٹن کے ترجمے کے علاوہ کسی اور ترجمے میں نہیں ملا ہے۔

ہنری مارٹن کے ترجمے کے صفحۂ اول پر یہ واضح تحریر ملتی ہے کہ یہ ترجمہ زبانِ ریختہ میں ہے۔یہی وجہ ہے کہ مارٹن کے ترجمے میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ اُس دور میں ہندی اور ریختہ دونوں عوام کی با محاورہ اور روزمرہ زبانیں تھیں جن کی لسانی بنیادیں ایک ہی مانی جاتی تھیں۔اور اگر فرق تھا بھی تو یہ کہ زبانِ ریختہ سے مراد اُس دور میں ایسی اردو ہے، جس میں عربی اور فارسی الفاظ و ترکیبات کا بکثرت استعمال کیا گیا ہو۔ اور ہندوی وہ زبان جس میں عربی یا فارسی الفاظ کی جگہ مقامی بولیوں کے الفاظ نمایاں ہوں۔مثال کے طور پر مارٹن کے نسخے کی مذکورہ عبارت کی زبان کے متعلق جملے کو انگریزی میں کچھ یوں لکھا ہے کہ:

> translated into the Hindoostanee language, from the orignal Greek.

ہنری مارٹن کا یہی ترجمہ ہندو عوام کے تقاضے کے بعد ہورنلے نے عربی و فارسی الفاظ کی تبدیلیوں کے ساتھ جب ۱۸۱۷ء میں پریرا، ہندوستانی پریس سے شائع کروایا تو اس پر بھی ہندوستانی زبان ہی لکھا گیا لیکن ناگری خط کی وضاحت کے ساتھ مثلاً:

> translated into the Hindoostanee language from the orignal Greek, and now printed in the Nagree character.

یعنی زبان ریختہ کو بھی ہندوستانی لکھا گیا ہے اور ہندی الفاظ کی کثرت والی زبان بھی ہندستانی ہی کہلائی۔ اردو اور ہندی کے لسانی جھگڑے کا اُس وقت تک کوئی وجود نہیں تھا۔یہ ترجمہ عوام کے لیے تھا اور تمام عوام کی زبان ہندوستانی ہی کہلاتی تھی۔ کیونکہ اردو کا لفظ زبان کے معنی میں اٹھارھویں صدی کے اواخر سے پہلے نہیں ملتا جب بقول شمس الرحمٰن فاروقی مصحفی نے لفظ اردو کو سب سے پہلے زبان کے معنی میں برتا اور اس سے پہلے اردو کے مختلف نام بشمول ہندی، ہندوی، ہندوستانی اور ریختہ وغیرہ رائج تھے۔اس کی تفصیل فاروقی صاحب نے اپنی کتاب ''اردو کا ابتدائی زمانہ'' میں دی ہے۔

اس کے مقابلے میں بپٹسٹ برادران کے تراجم میں ہندوستانی عوام کی زبان و بیان کو اہمیت دی گئی ہے اور صاف، روزمرہ اور سادہ لفظیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔جبکہ کاٹن میتھر کے ترجمے کی بنیاد تو ہنری مارٹن کا ترجمہ ہی تھا لیکن میتھر نے چونکہ زبان کی تبدیلی و تغیر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس میں سال بہ سال اصلاحات کیں ہیں جس سے اُس ترجمے میں روح تو ہنری مارٹن کی ہی محسوس ہوتی ہے لیکن کاٹن میتھر کی لفظیات و تراکیب کے تغیر نے اُسے نیا روپ عطا کر دیا ہے۔

تجزیہ:

مذکورہ بالا تراجم کے تقابلی مطالعے سے جو نتائج سامنے آئے ہیں اُن کا اندراج مختصراً ورنکات کی صورت پیش کیا جا رہا ہے:

۱۔معکوسی آوازوں (retroflex sounds) میں ٹ، ڈ اور ڑ میں چھوٹی طوے (ط) کی بجائے نقطوں کا استعمال ہے۔ مارٹن کے ترجمے میں ٹ اور ٹھ کے لیے چار نقطے (::) بیتا، روتی، بیتی، اتہا،اور ڈ، ڑ کے ساتھ ڈھ اور ڑھ کے لیے دو نقطے (••) کہترا، بترا، دالتی وغیرہ ہیں ۔ بپٹسٹ برادران کے ہاں بھی یہی صورت ہے۔ کاٹن میتھر کے ترجمے میں ''ٹ'' اور''ٹھ'' کے لیے دونقطوں کے اوپر ایک سیدھی لکیر کھینچ دی گئی ہے۔

۲۔ ہنری مارٹن کے ترجمے میں ہکاری آوازوں (aspirated sounds) کو ہائے دوچشمی یا ہائے مخلوط (ھ) کی بجائے ہائے ہوز (ہ) سے ہی لکھا گیا ہے۔ ہائے مخلوط کا استعمال صرف ھی، ھین اور ھو کی صورت ملتا ہے۔ جبکہ دیگر تراجم میں ہائے ہوز (ہ) کی بجائے ہائے مخلوط (ھ) کا استعمال عام ہے۔

۳۔ ہنری مارٹن کے ہاں یائے مجہول (ے) کا تمام نسخے میں استعمال نہیں ملتا ہے۔ جہاں یائے معروف (ی) اور یائے مجہول (ے) میں فرق مقصود ہو وہاں کسرہ (ِ) کا نشان دیا ہے۔یعنی یائے معروف کی آواز کے لیے زیر لگا کر انفرادیت دکھائی گئی ہے ۔ جبکہ بپٹسٹ برادران کے ترجمے میں یائے مجہول اور یائے معروف کا الگ الگ استعمال ملتا ہے اور ساتھ ہی یائے معروف کے نیچے دو نقطے بھی لگائے گئے ہیں۔مذکورہ تراجم میں املا کے حساب سے ایک ہی لفظ کے لیے کسی ترجمے میں یائے معروف (ی) کا استعمال ہے اور کسی میں یائے مجہول (ے) کا ۔ جیسے ندائیہ لفظ ''اے'' بھی ملتا ہے اور''ای'' بھی۔ اسی طرح فعلی شکل ''ھے'' بھی ملتی اور''ھی'' بھی۔

۴۔قدیم اردو میں مقامی اثرات کے باعث الفاظ کو انفیانے (nasalise) کی صورت ملتی تھی مارٹن کے ترجمے میں اس کا استعمال کثرت سے ہے۔ جبکہ دوسرے تراجم میں یہ رجحان بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔

۵۔ انیسویں صدی کے نصف تک اردو میں الفاظ کی املائی صورت مقرر نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے الفاظ کو جوڑ کر لکھنے کا رجحان ملتا ہے۔

آپس میں	آپسمیں
ایک ہی	ایکہی
بُلا بھیجوں گا	بُلا بھیجونگی
اُس پر سے	اُسپر سے

۶۔ وقت کے ساتھ معنیاتی تبدیلی آنے سے الفاظ کے انتخاب میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ جیسے لوقا ۱۳:۱۱ میں درج ہے۔

۱۸۱۷ء	اور دیکہو وہان ایک رندی تہی۔
۱۸۳۸ء	اور وھاں ایک عورت تھی۔
۱۸۸۷ء	اور دیکھو ایک عورت تھی۔ وغیرہ

۷۔ اردو زبان کی ابتدائی شکل سے رائج صورت تک کی تذکیر و تانیث، واحد جمع اور فعلی شکلوں میں بہت تغیر آیا ہے۔موجودہ اُردو کی رُو سے تذکیر و تانیث میں غتربود ہے۔

۸۔ مذکورہ تمام تراجم کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

مشرقی ہندوستان میں اپنے نثری دور کے آغاز میں ہنری مارٹن کے ترجمے سے لے کر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اردو نثر کا صرف ونحو بہت بہتر ہوگیا اور ۱۸۶۰ء سے ۱۹۳۰ء تک اردو زبان نثری اظہار کے لیے اپنے ذخیرہ الفاظ اور قواعد میں مضبوط اور توانا ہوچکی تھی ۔ بائبل کے تراجم کا تقابل اُردو زبان کے اس سفر کا واضح منظرا نامہ پیش کرتے ہیں۔عہدِ سرسید اردو زبان کی نثری صورت کا متوسط دور کہلاتا ہے ۔سرسید احمد خان تک پہنچتے پہنچتے اُردو زبان قوتِ اظہار میں مستحکم ہوچکی تھی۔ یہ بائبل کے اردو تراجم اور مترجمین ہی تھے جنھوں نے مقفع و مسجع عبارت کی جگہ سادگی وسلاست اور روزمرہ زبان کا ڈول ڈالا۔اورلسانیات کے سائنسی اصولوں کے مطابق عبرانی اور یونانی جیسی ترقی یافتہ زبان کے مطالب و مفاہیم کو نہایت آسان اور موزوں الفاظ کے انتخاب سے اردو کے سانچے میں ڈھالتے ہوئے زمانے کو اُردو زبان کی وسعتِ قلبی سے متعارف کروایا۔عہد سرسید میں بائبل مقدس کے تراجم کی زبان کے تقابل سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اردو زبان ترقی پذیر زبانوں سے آگے نکل کر ترقی یافتہ زبانوں میں شمار ہونے کی مستحق ہے۔ اپنی تشکیلی و تدریجی صورت سے رائج دور تک اس نے بہت تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اور آج یہ ہر طرح کے معنی و مفاہیم بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جو اس کے ذخیرہِ الفاظ کی وسعت اور قوتِ بیان کی دلیل ہے۔

حواشی:

(۱) خلیق احمد نظامی، سید احمد خان، (نئی دہلی: سکائی لینڈ پریٹرز، ۱۹۷۱)،ص ۱۱۹

(۲) محمد عمرالدین، سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرزِ فکر،(لاہور: مکتبۂ جدید پریس، ۱۹۹۵ء)،ص ۴۲

(۳) اصغر ندیم سید، سماجی تحریکوں کے اثرات،مشمولہ ہندوستان میں سماجی اصلاح کی تحریکات اور ان کے اثرات، مرتبہ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۱ء)،ص ۱۳۵

(۴) اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہوگئی تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمدورفت بھی ایک ہوگئی مذہب بھی ایک چاہئے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہوجاؤ، دیکھیے: سید ہاشمی فرید آبادی، تاریخِ مسلمانِ پاکستان بھارت، جلد دوم (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۸ء)،ص ۳۷۰

(۵) عزیزالدین عثمانی، مغربی عناثر کے زیرِ اثر اسلاح کی کوششیں،مشمولہ ہندوستان میں سماجی اصلاح

کی تحریکات اوران کے اثرات،ص ۶۳

(۶) کولن ایف۔ بلیئر (Colin F. Blair)، Christian mission in india: contributions of some missions to social changes, (سائمن فریسر یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء)،ص ۳۵

(۷) اصغر ندیم سید،محولہ بالا،ص۱۳۵

(۸) ایضاً

(۹) مسعود حُسین، اُردوزبان:تاریخ،تشکیل،تقدیر(علی گڑھ:شعبۂ لسانیات،علی گڑھ یونیورسٹی)،ص ۱۶

(۱۰) (امریکن اور فارن بائبل سوسائٹی کی دوسری شاہی رپورٹ subsequent to its recognittion by the philadelphia bible convention, april 1837 with an appendix containing addresses, extracts of correspondence together with a list of auxiliary societies , life directors, and members.(نیو یارک: جون گرے ۲۲۰ واٹرسٹریٹ،۱۹۳۹ء) ،ص ۱۵

(۱۱) اصغر ندیم سید،محولہ بالا،ص۱۳۵

(۱۲) وسیم رضا(مترجم)، قصص من التوراۃ،(کراچی :اکیڈمی آف قرآنک سٹڈیز، ۲۰۱۳)مقدمہ،ص ۸

(۱۳) ظفر بن صادق(مولف ومرتب)، ابنِ مریم ایک حواری کی نظر میں، (یونائٹڈ کنگڈم: یونیورسٹی آف دی نیشنز، ۲۰۰۸ء)،ص ۵

(۱۴) رام بابوسکسینہ، تاریخِ ادبِ اردو، مترجم مرزا محمد عسکری، (کراچی: غضنفر اکیڈمی پاکستان)،ص ۴۰۱

(۱۵) ڈاکٹر عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، (کراچی: سٹی بُک پوائنٹ، ۱۹۸۳ء)،ص ۲۲۴

(۱۶) ڈاکٹر بابو ورگیز (Dr. Babu Verghese)، *Let there be India impact of the Bible on nations building* (چنائے، وی۔ او۔سی۔ پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء)،ص ۳۶۲

(۱۷) رضیہ نور محمد، اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ از ۱۴۹۸ تا ۱۹۴۷ء (لاہور: مکتبۂ خیابان، ۱۹۸۵ء) ،ص ۵۸ تا ۷۰

(۱۸) وشال منگلوادی (Vishal Mangalwadi) *The book that made your world* (تھامس نیلسن: ۲۰۱۱ء)، ص۱۶۹

(۱۹) مرزا خلیل احمد بیگ، اسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجربے ، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، ۲۰۱۴ء)،ص۶۱

(۲۰) سمتھ بیڈے (Smith badly)، *History of the Christanity in India*،(مدراس: ایس۔پی۔سی۔کے پریس ویپری، ۱۹۹۵ء) ،ص ۱۷

(۲۱) ایضاً ،ص ۱۲

(۲۲) www.thehindu.com

(۲۳) جے تھامس (J. Thomas) *Contribution towards the history of the Biblical translation*، (کلکتہ:مشن پریس، ۱۸۵۴ء) ،ص ۳

(۲۴) کانفرنس آن اردو اینڈ کرسچن لٹریچر، (الہ آباد ۲۴ تا ۲۵ فروری ۱۸۷۵ء) ،ص ۴۶

(۲۵) ایضاً ،ص ۵۴۵

(۲۶) عطش درانی، اردوزبان اوریورپی اہلِ قلم (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۷ء) ،ص ۴۶

(۲۷) رضیہ نور محمد، اردوزبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات، محولہ بالا ،ص ۲۳

(۲۸) اورل آن پاول (Avril Ann Powell)، *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India* (روتھلیج پریس ایل ٹی ڈی: ۲۰:۳) ،ص۸-۸۲

(۲۹) ایضاً

(۳۰) جے ایس ایم ہوپر(J.S.M Hooper) *The Bible in India* (لندن: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۸ء)،ص ۱۳

(۳۱) وی سسٹی، (مترجم) و کلف۔ اے سنگھ، ہنری مارٹن: انجیل کے اردو ترجمہ کے مجاہد اول کی سرگزشت،(لاہور: مسیحی اشاعت خانہ)،ص ۴۵

(۳۲) ایضاً ،ص ۴۷

(۳۳) ایضاً

(۳۴) ایضاً ص ٦۸ تا ٦۹

(۳۵) جے تھامس (J. Thomas)، محولہ بالا،ص ٦۲

(۳٦) ایضاً

(۳۷) جے ایس ایم ہوپر (J.S.M.Hooper)، محولہ بالا،ص ٦٦

(۳۸) عطش درانی، اردو زبان کے یورپی اہل قلم، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء)،ص ۸۰

(۳۹) جے تھامس (J. Thomas)، محولہ بالا ،ص ٦۳

(۴۰) جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم،(لاہور:مجلس ترقی ادب ،۲۰۰۵ء)،ص ٦٦۔ا

(۴۱) ایس ایم سنگھ، ویم کیری ایک مایہ ناز مسیحی مشنری و مُصلح کی سرگزشت (لاہور: پنجاب رلیجیس بُک سوسائٹی، ۱۹٦۰ء)،ص٦۷

(۴۲) پروسیڈنگ آف دی بائبل کنویشن (نیو یارک: جان گرے پرنٹرز، ۱۸۳۷ء) ،ص ۱۵

(۴۳) سمتھ بیڈلے (Smith Badly)، محولہ بالا،ص ۲۷

(۴۴) ایضاً ،ص ٦

(۴۵) جے تھامس (J. Thomas)، محولہ بالا،ص ۳۷

(۳٦) ایڈون منسیل بلس (Edwin Munsell Bliss)، دی انسائیکلوپیڈیا آف مشن، محولہ بالا،ص ۴۲٦

(۴۷) کیون ایس ہیگنز (Kevin S. Higgins)، *The Quran in Urdu as a Resource for Bible translation in Muslim contexts: A case study in the translation of "Spirit" and "Spirits" in Urdu* (پروکوئسٹ پبلشنگ، ۲۰۱۳ء)،ص۱۷٦

(۴۸) عطش درانی، اردو زبان اور یورپی اہلِ قلم، محولہ بالا،ص ۸۱

(۴۹) ایضاً،ص ۸۳

(۵۰) ایڈون منسیل بلِس (Edwin Munsell Bliss)، محولہ بالا،ص ۲۴۷

(۵۱) مرزا خلیل احمد بیگ، محولہ بالا، ص؟؟؟

(۵۲) ڈاکٹر سہیل بخاری، اُردو کی زبان، (کراچی: فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۷ء)، ص ۲۸

مآخذ

۱۔ بخاری، سہیل، اُردو کی زبان، کراچی: فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۷ء

۲۔ بلیئر، کولن ایف (Blair, Colin F.)، *Christian Mission in India: Contributions of Some Missions to Social Changs,*، سائمن فریسر یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء

۳۔ بیڈلے سمتھ (Badly, Smith)، *History of Christanity in India*، مدراس: ایس پی سی کے پریس ویپری، ۱۹۹۵ء

۴۔ بیگ، مرزا خلیل احمد، اسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجربے، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۴ء

۵۔ بیگم، عبیدہ، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۱۹۸۳ء

۶۔ پال، اورل آن (Powell, Avril Ann)، *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India*، روتھلیج پریس: ایل ٹی ڈی، ۲۰۰۳ء

۷۔ تھامس، جے (Thomas, J.)، *Contribution towards history of Biblical translation in India.*، کلکتہ: مشن پریس، ۱۸۵۴ء

۸۔ جالبی، جمیل، تاریخِ ادبِ اردو، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۵ء

۹۔ حسین، مسعود، اُردو زبان: تاریخ، تشکیل، تقدیر، علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، علی گڑھ یونیورسٹی

۱۰۔ رضا، وسیم (مترجم)، قصص من التوراۃ، کراچی: اکیڈمی آف قرآنک سٹڈیز، ۲۰۱۳ء

۱۱۔ سکسینہ، رام بابو، تاریخِ ادبِ اردو، مترجم مرزا محمد عسکری، کراچی: غضنفر اکیڈمی پاکستان

۱۲۔ سنگھ ایس ایم، ویم کیری: ایک مایہ ناز مسیحی مشنری و مُصلح کی سرگزشت، لاہور: پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی، ۱۹۶۰ء

۱۳۔ صادق، ظفر بن (مولف ومرتب)، ابنِ مریم ایک حواری کی نظر میں، یونائٹڈ کنگڈم: یونیورسٹی آف دی نیشنز، ۲۰۰۸ء

۱۴۔ عمر الدین، محمد، سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرزِ فکر، لاہور: مکتبۂ جدید پریس، ۱۹۹۵ء

۱۵۔ فریدآبادی، سید ہاشمی، تاریخ مسلمانِ پاکستان وبھارت، جلد دوم، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۸ء

۱۶۔ قدوائی، صدیق الرحمٰن (مرتبہ)، ہندوستان میں سماجی اصلاح کی تحریکات اور ان کے اثرات، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۱ء

۱۷۔ محمد، رضیہ نور، اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از ۱۴۹۸ تا ۱۹۴۷ء، لاہور: مکتبۂ خیابان ۱۹۸۵ء

۱۸۔ منگلواد، وشال (Mangalwadi, Vishal)، *The book that made your World*، تھامس نیلسن: ۲۰۱۱ء

۱۹۔ نظامی، خلیق احمد، سید احمد خان، نئی دہلی: سکائی لینڈ پرنٹرز، ۱۹۷۱ء

۲۰۔ ورگیز، ڈاکٹر بابو (Verghese, Dr. Babu)، *Let there be india impact of the Bible on nations building*، چنائے: وی او سی پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء
۲۱۔ وی سی، (مترجم) وکلف اے سنگھ، ہنری مارٹن: انجیل کے اردو ترجمہ کے مجاہد اول کی سرگزشت، لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، س ن
۲۲۔ ہوپر، جے ایس ایم ہوپر (Hooper, J. S. M.)، *The Bible in India*، لندن: آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۳۸ء
۲۳۔ ہیگنز، کیون ایس (Higgins, Kevin S.)، *The Quran in Urdu as a Resource for Bible translation in Muslim contexts: A case study in the translation of " Spirit" and " Spirits" in Urdu*، پروکوئسٹ پبلشنگ، ۲۰۱۳ء

انسائیکلو پیڈیا:

۱۔ بلس، ایڈون منسیل بلس (Bliss, Edwin Munsell)، دی انسائیکلوپیڈیا آف مشن

ویب گاہیں:

۱۔ www.thehindu.com, 23-6-2019

رپورٹ:

۱۔ امریکن اور فارن بائبل سوسائٹی کی دوسری شاہی رپورٹ: Subsequent to its recognition by the Philadelphia Bible Convention, April 1837 with an appendix containing addresses, extracts of correspondence together with a list of auxiliary societies, life directors, and members.، نیو یارک: جون گرے ۲۲۰ واٹر سٹریٹ، ۱۹۳۹ء

جرائد:

۱۔ پروسیڈنگ آف دی بائبل کنویشن، نیو یارک: جان گرے پرنٹرز، ۱۸۳۷ء
۲۔ کانفرنس آن اردو اینڈ کرسچن لٹریچر، الہ آباد، ۲۴ تا ۲۵/فروری، ۱۸۷۵ء